سیالکوٹی عبقریت کا ایک نادر شاہکار
الدُّرَّۃ الثمینہ

شبیر احمد غوری - علیگڑھ

(۲)

پرچہ نویس نے یہ خبر شاہجہاں کو پہنچائی، جسے ایرانیوں کے مقابلے میں ہندوستانی علما فضل کی ہوا خیزی سے بے حد صدمہ ہوا۔ مزاج شناس وزیر (علامی سعداللہ خاں) نے فوراً شاہی مزاج کے تکدر و ملال کو رفع کرنے اور اس غرض سے ہندوستان کے کھوئے ہوئے علم وقار کو بحال کرنے کا انتظام کیا۔ شاہجہانی عہدِ حکومت مجمع اہل کمال تھا۔ ان میں معقولات و منقولات جملہ علوم کے ماہر تھے مگر سعداللہ خاں کی جوہر شناس نگاہوں نے امرِ خطیر کی انجام دہی کے لئے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ہی کو منتخب کیا اور انہیں لکھا:

"بکمترین مریداں حکم شد کہ باآں فضائل و کمالات دستگاہ سطرے چند برنگارد و برگزارد کہ آں افادت و افاضت مرتبہ را دریں مسائل مختصرے جامع و موجزے مفید کہ مستجمع کلمات حکماء، و تاویلات علماء، و وجہ تکفیر اسلامیین و اقوال ملیین و مباحثات و مناظرات و شکوک و شبہات و ازالات و ازاحات و اسولہ و اجوبہ و غایت تدقیقات و نہایت تحقیقات و اصل کلام در ہر باب و اساس سخن در ہر جواب و آنچہ براں ظفر یافتہ باشند و برہان بداں فائز شدہ باشند .... نوشتہ در حضرت خلافت درعرض دہ پانزدہ روز باید فرستاد کہ

یران فرستادہ شود ۔ و آں چناں باید بود کہ قابل فرستادن ولائق اضافت بآں فضائل دستگاہ بود وبروزگار ازاں باز گویند و در تاریخ نامہا نوشتہ آید[1]

علامی سعد اللہ خاں نے 'دس پندرہ دن' کی مہلت دی تھی مگر مولانا عبدالحکیم نے اس رسالہ کو محض ایک ہفتہ میں مرتب کیا[2]۔ اور اس طرح 'مسائل ثلثہ' کے باب میں امام غزالی کے زمانہ حکماء و متکلمین کی جو نزاع چلی آرہی تھی، ختم ہوئی ۔

'الدرۃ الثمینہ' نے جس طرح 'مسائل ثلثہ' کی نزاع کا خاتمہ کیا، اسی طرح ایک نئی بحث کا آغاز بھی کیا ۔ یہ 'علم باری تعالیٰ بجزئیات' کی بحث ہے جو بعد میں عربی درسگاہوں کے اندر بہت زیادہ قیل وقال کا موضوع رہی ہے ۔ چنانچہ قاضی مبارک 'سلم العلوم' کی شرح میں لکھتے ہیں :

"اعلم ان مسئلۃ علم الواجب مما تحیرت فیہ الافہام"[3]

اور اگرچہ اس بحث کے سلسلے میں مسئلہ 'علم باری تعالیٰ' کے متعلق مذاہب مختلفہ کے قائلین علامہ عبدالحکیم سے کہیں پہلے گذر چکے تھے ۔ مگر منظم طور پر ایک مستقل بحث کی حیثیت میں اس کا آغاز انہوں نے ہی کیا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

" اعلم ان علمہ تعالیٰ اما ان یکون عین ذاتہ او خارجا عنہ اما قائما بنفسہ او بذاتہ او بامر خارج "

(جاننا چاہیئے کہ باری تعالیٰ کا علم یا تو عین ذات ہوگا یا اس سے خارج ہوگا (بصورت ثانی) یا تو وہ خود سے قائم ہوگا یا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوگا یا کسی امر کے ساتھ قائم ہوگا)

علامہ عبدالحکیم کے بعد سب سے پہلے اس مسئلہ کے ساتھ تعرض ہمیں 'میرزاہد ہروی'

---

[1] تذکرہ باغستان' لامام الدین الریاضی ورق ۴۸۶ الف ۔ مخطوط لکھنؤ یونیورسٹی ۔

[2] علامہ عبدالحکیم نے اس رسالہ کو ۵ ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ کو لکھنا شروع کیا اور اسی مہینہ کی ۱۲ تاریخ کو مکمل کرلیا ۔ [3] جاننا چاہیئے کہ مسئلہ علم واجب' ان مسائل میں سے ہے جن کے اندر عقل و فہم متحیر ہیں ۔

کے بیان سے ملتا ہے اور جن الفاظ میں موخرالذکر نے اس بحث کو قلمبند کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیالکوٹی کا رسالہ' الدرۃ الثمینہ' ان کی نظر کے سامنے تھا۔ انہوں نے علامہ کے ارشاد گرامی کی محض تلخیص کر دی ہے۔ ذیل میں دونوں کے افادات نقل کئے جاتے ہیں:

الدرة الثمينة	ميرزاهد رسالة (منهيه)
اعلم ان مراتب العلم التفصيلي اربع: الاولى ما يعبر عنه بالقلم والنور والعقل في الشريعة وبالعقل الكل عند الصوفية وبالعقول عند الحكماء. فالقلم الذي هو اول المخلوقات حاضر بذاته مع ما هو مكنون فيه عند الواجب تعالى فهو علم تفصيلي بالنسبة الى العلم الاجمالي الذي هو عين ذاته وبسيط بالقياس الى ما في المراتب۔ وثانيها ما يعبر عنه في الشريعة باللوح المحفوظ وبالنفس الكلي عند الصوفية وبالنفوس الناطقة المجردة عند الحكماء فاللوح المحفوظ حاضر بذاته مع ما ينتقش فيه من صور الكليات عند الواجب تعالى فهو علم تفصيلي بالنسبة الى الرتبتين اللتين فوقها۔ وثالثها كتاب المحو والاثبات وهو القوى الجسمانية التي ينتقش فيها صور الجزئيات المادية وهي المنطبعة في الاجسام العلوية والسفلية فهذه القوى مع ما فيها من النقوش حاضرة عنده تعالى۔ ورابعها الموجودات الخارجية من الاجرام العلوية والسفلية واحوالها	اعلم ان العلم التفصيلي للواجب بعد عين ما اوجده في الخارج ومراتبه اربع: احدها ما يعبر عنه بالقلم النور والعقل في الشريعة وبالعقل الكل عند الصوفية وبالعقول عند الحكماء فالقلم حاضر عنده تعالى مع ما يكون فيه۔ وثانيها ما يعبر عنه في الشريعة باللوح المحفوظ وبالنفس الكلي عند الصوفية وبالنفوس الفلكية المجردة عند الحكماء فاللوح حاضر عنده تعالى مع ما فيه من صور الكليات۔ وثالثها ما يعبر عنه بكتاب المحو والاثبات في الشريعة وهو القوى الجسمانية التي ينتقش فيها صور الجزئيات المادية وهي القوى المنطبعة في الاجسام العلوية فهذه القوى مع ما فيها من النقوش المنطبعة حاضرة عنده تعالى ورابعها سائر الموجودات الخارجية

انہا حاضرۃ عند واجب الوجود بذاتہا فی والذہنیۃ الحاضرۃ عندہ تعالیٰ۔

مرتبۃ ایجادہ:

میرزاہد ہروی کا انتقال ۱۱۰۱ھ میں ہوا۔ یعنی 'الدرۃ الثمینہ' کی تصنیف کے چوالیس اور علامہ سیالکوٹی کی وفات کے چھتیس سال بعد۔ اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ علامہ سیالکوٹی نے اس مسئلہ میں میرزاہد کی خوشہ چینی کی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ بحث میرزاہد نے علامہ کے رسالہ 'الدرۃ الثمینہ' سے اخذ کرکے 'میرزاہد رسالہ' کی "منہیہ" میں درج کی۔

لیکن علم باری تعالیٰ کے باب میں مذاہب مختلفہ کی نقل و حکایت تفصیل کے ساتھ ہمیں قاضی مبارک گوپاموی کی 'شرح سلم العلوم' میں ملتی ہے۔ بحالاتِ موجودہ یہ طے کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ بحث قاضی مبارک نے استیناناً چھیڑی ہے یا ماتن (ملا محب اللہ بہاری) کے ذہن میں بھی تھی، کیونکہ فاضل بہاری (ملا محب اللہ) نے تو باری تعالیٰ عز اسمہٗ کے بارے میں اتنا ہی فرمایا تھا:

"لا یحد ولا یتصور"

ہو سکتا ہے قاضی صاحب (قاضی مبارک) نے اظہار فضل و کمال کے لئے اپنے اساتذہ کی علمی روایات سے 'شرح متن' کی تحسین میں کام لیا ہو۔ کیونکہ ان کا ایک سلسلۂ تلمذ تو میرزاہد ہروی تک پہنچتا ہے۔ اور اگر میرزاہد نے 'میرزاہد رسالہ' کی 'منہیات' میں 'الدرۃ الثمینہ' کی خوشہ چینی کی ہے تو یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ علم باری تعالیٰ کے باب میں مذاہب مختلفہ کے بیان کے سلسلے میں وہ ان سے متاثر ہوئے ہوں اور اگرچہ یہ تفصیل تحریری طور پر ان کی تصنیفات میں نہیں ملتی۔ لیکن باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ وہ دوران درس میں اپنے شاگردوں کے سامنے اس کی تقریر کرتے رہیں ہوں گے۔ اور یہ علمی روایت ان کے تلامذہ کے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل ہوتی رہی ہوگی تا آنکہ قاضی مبارک تک پہنچی۔

لیکن قاضی صاحب کا دوسرا سلسلۂ تلمذ یہ ہے کہ وہ شاگرد تھے ملا قطب الدین گوپاموی کے اور وہ شاگرد تھے اپنے پدر بزرگوار قاضی شہاب الدین کے۔ قاضی شہاب الدین شاگرد تھے مولوی عبدالرحیم مرادآبادی کے جو شاگرد علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے۔ اس طرح قاضی مبارک کا

سلسلۂ تلمذ براہ راست علامہ سیالکوٹی تک پہنچتا ہے۔ اس لئے یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اساتذہ اپنی اپنی نوبت میں اپنے استاد (علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی) کی علمی و فکری کاوشو امین بنتے رہے ہوں گے، اور آخر میں اس ورثہ کے وارث قاضی مبارک ہوئے۔

اور اس طرح انہوں نے اس بحث کو سلم العلوم کی شرح میں 'لا یحد ولا یتصور' توضیح کے سلسلے میں استیناناً ودیعت فرمایا۔

بہر حال 'سلم العلوم' کے شراح میں سب سے پہلے قاضی مبارک نے اس بحث (علم کے باب میں مذاہب مختلفہ کے سرد و نقل) کا آغاز کیا اور بعد میں 'سلم' کے دوسرے شارحین اس علمی روایت کا تتبع کیا۔ چنانچہ ملاحسن نے اپنی شرح سلم العلوم' میں لکھا ہے:

"لا ینکشف الغطاء عن وجہ المقصود مالم یذکر مسئلۃ علم الواجب التی ھی مہمات المسائل قد تحیرت فیہ الافہام ولم یأت احد بما یتعلق بقلب الاذکیاء

(مقصود کے چہرے سے پردہ اس وقت تک نہیں اٹھ سکتا جب تک مسئلہ علم واجب بیان نہ کیا جائے جو (حکمت و منطق کے) اہم مسائل میں سے ہے۔ اور جس کے اندر (علماء و حکماء عصر کی) عقلیں متحیر ہیں اور کسی خاص فاضل نے اس کی ایسی تحقیق نہیں کی جو دل کو لگے۔"

غرض جس طرح 'مسائل ثلثہ' کے باب میں 'الدرۃ الثمینہ' نے اس نزاع کا خاتمہ کیا امام غزالی کے زمانہ سے چلا آرہا تھا، اسی طرح اس نے اس بحث کا بھی افتتاح کیا جو بعد 'سلم العلوم' کے شراح اور 'میرزاہد رسالہ' کے محشیوں کے یہاں 'مسئلہ علم واجب' کے عنوان سے گرمی بحث کا موضوع بنی رہی۔

ب۔ اسلامی ہند کی علمی کاوشوں میں الدرۃ الثمینہ کی اہمیت

اس تاریخی تفصیل سے واضح ہوگیا ہوگا کہ 'الدرۃ الثمینہ' ہندوستانی عبقریت کا عظیم کارنامہ ہے۔ یوں بھی ہندوستان کے علماء اپنے اپنے عہد میں 'غزالی و رازی' کے ہم پلہ سمجھے جاتے رہے ہیں چنانچہ ضیاءالدین برنی عہد علاءالدین خلجی کے علماء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"در تمامی عصر علائی در دار الملک علماء بودند کہ آنچناں استاداں کہ ہر یکے علامۂ وقت

بود و در بخارا و در سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و صفاہان و رے و روم و در ربع مسکون نباشند و در ہر علمے کہ فرض کنند از منقولات و معقولات ..... موئے می شگافتند ..... و بعضے ازاں استاداں در فنون علم و کمالات علوم بدرجۂ غزالی و رازی رسیدہ بودند"

(تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۵۲)

اور یہ کوئی مبالغہ آمیز تبصرہ نہیں ہے چنانچہ جب تیمور نے دہلی کو فتح کیا اور فتنہ و فساد ختم ہونے کے بعد مولانا تھانیسری امیر تیمور کی محفل میں پہنچے تو وہاں شیخ الاسلام سے جو صاحب ہدایہ کے پوتے یا پڑپوتے تھے محفل میں تقدم و تاخر کی بنا پر گفتگو بڑھی تو انہوں نے صاحب ہدایہ کے اغلاط کو واضح کرانا چاہا مگر امیر تیمور نے مصلحتاً اسے ملتوی کر دیا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے لکھا ہے :-

"بعد از تسکین فتنہ خلاص یافتہ بمجالست امیر تیمور رسید و میان ایشاں و شیخ الاسلام کہ نبیرہ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ بود، جہت تقدم و تاخر مجلس گفت و گوئے شد۔ امیر تیمور گفت کہ ایشاں نبیرہ صاحب ہدایہ اند۔ مخدوم گفت کہ صاحب ہدایہ پدر کلاں ایشاں در چند محل از ہدایہ خطا کردہ است، ایشاں اگر یک جا خطا کردہ باشند، چہ باک۔ شیخ الاسلام در جواب گفت آں محلہائے خطا کدا مہا است بہ ثبوت باید رسانید۔ مولانا اشارت بفرزندان و شاگردان خود کرد کہ ایشاں تقریر می کنند۔ امیر تیمور ملاحظہ ناموس کردہ صحبت بمجلس دیگر انداخت" (اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۱)

اس سے بیرون ہندوستان کے فضل و کمال پر مسلم ہندوستان کے تفوق و برتری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ "فتاوائے تاتارخانیہ" کی عظمت و اہمیت کی طرف جو اس واقعہ سے کوئی نصف صدی پیشتر مدوّن کیا گیا تھا، شروع میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اسی قسم کا ایک اور فقہی کارنامہ عہد عالمگیری میں مرتب ہوا جو آج بھی "فتاوائے ہندیہ" کے نام سے دنیا جہان کے علمائے احناف کا معمول بہ ہے۔

مگر اس قسم کے شاہکار انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور ان میں ایک معتدبہ تعداد

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف کی ہے۔ چنانچہ "شرح مواقف" پر ترکی اور مصر میں بے شمار حواشی لکھے گئے مگر قبول عام کی سند صرف دو تین ہی کو ملی اور ان میں ایک علامہ عبدالحکیم کا "حاشیہ شرح مواقف" ہے۔ اسی طرح "قطبی" (شرح شمسیہ) پر لاتعداد حاشیے لکھے گئے مگر علمائے محققین میں چند ہی متداول ہوئے اور ان میں بھی ایک حاشیہ علامہ عبدالحکیم کا ہے۔ اور یہ دونوں حاشیے ہندوستان میں نہیں بلکہ مصر میں چھپے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ ہندوستان سے باہر بھی تاریخ اسلام کے دیگر عباقرۂ روزگار کے دوش بدوش نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اسی عبقریٔ اعظم کا رسالہ "الدرۃ الثمینۃ" ہے جو جابجا طور پر علم کلام کی تاریخ میں واسطۃ العقد قرار دیا جا سکتا ہے (اس کی تفصیل اوپر مذکورہ ہو چکی ہے)۔ مگر بعد میں اپنے اغلاق و غموض سے زیادہ قوم کی اسلاف فراموشی کے نتیجہ میں گوشۂ خمول میں جا پڑا اور یورپی افکار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر ہم نے اُسے تقویم پارینہ سمجھ لیا ہے، حالانکہ "الدرۃ الثمینۃ" کے افادات میں ایک دائمی پابندگی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے افراد کے لئے وہ عامی ہوں یا عالم "قدم عالم"، "نفی حشر اجساد" اور "انکارِ علمِ باری تعالیٰ بجزئیاتِ متغیرہ" کے بتوں کو توڑنا قیامِ قیامت تک فرض ہے۔ خواہ ان اصنام خیالی کی نمایش افلاطون و ارسطو کے فلسفہ کے ذریعہ کی جائے یا کانٹ، ہیگل اور برگسان کے تفلسف کے نتیجے میں ان زندہ و پایندہ افکار کی محض تاریخی اہمیت ہی نہیں ہے، ان کی اجتماعی افادیت بھی ہے کیونکہ جب تک نظام حیات کو اسلامی تعلیمات پر استوار کیا جائے گا (اور انہیں صرف اسلامی تعلیمات ہی پر اس کی استواری ممکن ہے) اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کی اہمیت برقرار رہے گی۔

(ج) ایرانی، ہندوستانی روابطِ علمیہ کی ترجمانی

مذکورالصدر تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ یہ رسالہ اس عہد کے ایرانی ہندوستانی روابط علمیہ کی بھی باحسن وجوہ ترجمانی کرتا ہے۔

لیکن نزاعی "مسائل ثلثہ" کے باب میں حکماء و متکلمین کے مابین محاکمہ کی یہ ہندوستانی کاوش اپنی نوع کی تنہا مثال نہیں ہے، بلکہ ہر وہ علمی و فکری تحریک جو عراق و خراسان میں پیدا ہوئی، اُس نے قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کو بھی متاثر کیا۔ اس کی تفصیل تو ایک مستقل پیش کش کی مقتضی ہے مگر مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت کے لئے دو تین واقعات کا ذکر کرنا مستحسن ہوگا۔

۱۔ چھٹی صدی ہجری کے آخر میں امام رازی بامیان (جو اُس زمانہ میں ہندوستان کی سرحد پر واقع تھا) تشریف لائے جہاں کے والی بہاء الدین سام کے نام پر انہوں نے "لوامع البینات" لکھ کر معنون کی۔ اس کتاب کا موضوع "اسماء و صفات باری تعالیٰ" کی تحقیق ہے۔ اس کتاب نے دولت مملوکیہ کے زمانہ (۶۰۲ — ۶۸۸ھ) میں ہندوستانی فضلاء پر بڑا اثر ڈالا۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب سے متاثر ہو کر "طوالع الشموس" تصنیف فرمائی، جس کا موضوع بھی اسماء باری تعالیٰ کی بحث و تمحیص ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر اس کتاب میں فرماتے ہیں:-

"در لوامع البینات آمدہ است:- اعظم اسماء اللہ است لوجوہ۔۔۔"

("طوالع الشموس" مخطوطہ ذخیرہ حبیب گنج۔ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ)

اس کتاب کے بارے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است۔۔۔ طوالع الشموس از تصانیف مشہور اوست در وے شرح اسماء حسنیٰ می کند۔"

(اخبار الاخیار ص ۴۳)

آگے چل کر اس کتاب سے اقتباس نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں:-

"نقل از طوالع شموس و حقیقت آنست کہ اختصار و انتخاب از ان کتاب حقیقت مآب کہ ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است متعسر است۔ جمیع مواضع او در متانت و حرارت و حالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ۔" (اخبار الاخیار ص ۴۴)

امام رازی کی تصانیف میں "لوامع البینات" کو کتنے لوگ جانتے ہیں مگر ایک ہندوستانی عالم کے نفس گرم کی تاثیر سے "طوالع شموس" میں جو اس سے متاثر ہو کر لکھی گئی وہ حرارت و گرمی پیدا ہوئی جس سے متاثر ہو کر شیخ عبدالحق کو مذکورالصدر تبصرہ سپرد قلم کرنا پڑا۔

۲۔ چھٹی صدی ہجری ہی میں عین القضاۃ ہمدانیؒ نے "زبدۃ الحقائق" لکھی جو "تمہدات عین القضاۃ" کے نام سے مشہور ہے آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ - ۷۹۰ھ) کے عہد میں اس سے متاثر ہو کر مسعود بک نے "تمہیدات" لکھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں :۔

"در علم تصوف و توحید تصنیفات بسیار دارد۔ و تصنیفے دارد مسمّٰی بہ تمہیدات برطبق تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی۔ بسیارے از حقائق و دقائق درانجا مندرج" (اخبار الاخیار ص۱۷۵) ۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :۔

"وے از مستان بادۂ وحدت و خم شکنان خمخانہ حقیقت است۔ سخن مستانہ می گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت را فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کردہ" (اخبار الاخیار ص۱۷۵)

۳۔ نویں صدی کے اندر ماوراء النہر کے صوفیائے کرام میں شیخ عزیزان نسفی اسرار و رموز حقیقت کے باب میں نمایاں اہمیت رکھتے تھے۔ اُن کے اثرات ہندوستان میں بھی آئے اور یہاں کے فضلاء میں جو بزرگ اُن سے متاثر ہوئے، اُن میں شیخ سماء الدین دہلویؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ صاحب تصانیف صوفی تھے۔ اُن کی تصنیفات میں "لمعات شیخ فخرالدین عراقیؒ" کی شرح کے علاوہ رسالہ "مفتاح الاسرار" خاص طور سے مشہور ہے جو انھوں نے شیخ عزیزان نسفیؒ کے رسائل سے متاثر ہو کر تصنیف فرمایا تھا۔ چنانچہ شیخ محدثؒ ان کے تذکرے میں فرماتے ہیں :۔

"وے بر لمعات شیخ فخرالدین عراقی حواشی نوشتہ . . . . . و رسالۂ دیگر

دارد مسمّٰی بمفتاح الاسرار۔ اکثرآں بعینہٖ منقول از رسائل شیخ عزیز نسفی است۔" (اخبار الاخیار ص ۲۱۷)

۴۔ مزید تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ اس لئے صرف ایک اور مثال دی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ شام وعراق تک کے افکار وتصورات کس طرح اندر ہی اندر غیر شعوری طور پر ہندوستانی فکر میں اثر انداز ہو رہے تھے:۔

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں اسلام کے سیاسی اقتدار کے زوال کے بعد جب الحاد وبے راہ روی کی نشر واشاعت پر کوئی پابندی نہ رہی تو فلسفہ نے بھی جو خود کو اسلام کا حریف سمجھتا تھا مگر علانیہ مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کرتا تھا، پر پرُزے نکالنا شروع کر دیئے اور تصوّف واشراق کا لبادہ اوڑھ کر شریعت پر تفوق وبرتری کا دعوٰی کر ڈالا۔ اب علماء شریعت جو اس وقت تک بلند ترین مقام کے مستحق سمجھے جاتے تھے، صف نعال میں لا بٹھائے گئے اور درجہ اقصٰی ان متصوف فلسفیوں (یا متفلسف صوفیوں) کے حصہ میں آیا۔

ساتویں صدی کے آخر میں مصر وشام کے اندر اس قدر ریاتی انداز کا چرچا تھا، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ جنہوں نے ساتویں صدی کے خاتمہ کے قریب اسی علاقہ میں بیٹھ کر "الرد علی المنطقیین" لکھی تھی، ان تفلسف پسند صوفیاء (یا متصوف فلاسفہ) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وھم یرتبون الناس طبقات ادناھم الفقیہ، ثم المتکلم، ثم الفیلسوف، ثم الصوفی ای صوفی الفلاسفۃ، ثم المحقق۔ و یجعلون ابن سینا وامثالہ من الفلاسفۃ فی الثانیۃ .... و یجعلون المحقق ھو الواحد..... وذلک ان الفیلسوف یفرق بین الوجود والممکن والواجب و ھؤلاء یقولون الوجود واحد۔ والصوفی الذی یعظمہ ھؤلاء ھو الصوفی الذی عظمہ ابن سینا وبعدہ المحقق" (الرد علی المنطقیین صفحہ ۵۲۲-۵۲۳)۔

[اور ان لوگوں نے لوگوں (اہل علم) کو (پانچ) طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے نیچا طبقہ فقہا کا ہے، پھر متکلمین کا، پھر فلاسفہ کا، پھر صوفیا یعنی فلسفی صوفیاء (متفلسف صوفیا یا فلاسفہ متصوفین) کا اور پھر (سب سے بلند تر درجہ) محقق کا۔ یہ لوگ ابن سینا اور اُس جیسے دوسرے فلاسفہ کو دوسرے درجہ میں رکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور محقق کو وحدت وجود کا ماننے والا سمجھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فلسفی تو وجود، ممکن اور واجب میں تفریق کرتے ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وجود واحد ہے نیز جس صوفی کی یہ لوگ تعظیم کرتے ہیں وہ وہی صوفی ہے جس کی ابن سینا نے تعظیم کی ہو اور محقق کتا ہو] ۔

اس طرح اہل علم کے "طبقات خمسہ" ان متصوف فلاسفہ کی رائے میں حسب ذیل ہیں :-

۱۔ محقق ۲۔ صوفی ۳۔ فلسفی

۴۔ متکلم ۵۔ فقیہ

یہی "قدر یاتی" نقشہ "آئین اکبری" میں ملتا ہے جسے ابوالفضل نے دسویں صدی ہجری کے آخر میں لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے :-

" از آنجا کہ گیتی خدا پیشوا سے دورہنمائی وکارگیا کہ باطن و ظاہر است، این گروہ درخور دریافت برگذارشتہ می آید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جمعے از روشن ستارگی بینایے اسرار برونی و درونی اندوزو از فطرتی و فراوانی حوصلہ ہر دو نشأ را بکمال دارند۔ و برخے را اگرچہ چشم بہ نیرنگی صورت کمتر او فتد لیکن از فروغ دلی فراوانی تماشا را چہرہ برکشاید۔

وجماعہ از جولانگہ نظر برنگذرند

و گروہے از نقل کلام آگہی اندوزند

و جوقے نقل را غبار آمود شتنیا بر شمارند وجز برہان دست آویز نبود۔

وطبقہ از تقلید پیشگی از تنگنائے نقل پرستی بیروں شد نیارند"
(آئینِ اکبری جلد دوم صفحہ ۲۳۲)
اس کے بعد اُس نے ہر طبقہ کے مشاہیر کو ذکر کیا ہے ۔ یہ (اطباء کو چھوڑ کر) پانچ طبقہ ہیں :-

۱۔ خدیو نشآتین
۲۔ خداوند باطن
۳۔ دانندۂ معقول و منقول
۴۔ شناسائے عقلی کلام
۵۔ خوانائے نقلی مقال

اب اگر ان دونوں "قدر یاتی" نظاموں کا باہم دگر مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "آئینِ اکبری" میں مذکور "دانش اندوزان جاوید دولت" کے "پنج گروہ"، "الردعلی المنطقیین" میں بیان کردہ طبقات خمسہ کے عین مانند ہیں یعنی

۱۔ محقق خدیو نشآتین ہے
۲۔ صوفی خداوند باطن ہے ۔
۳۔ فلسفی دانندہ معقول و منقول ہے
۴۔ متکلم شناسائے عقلی کلام ہے، اور
۵۔ فقیہ خوانائے نقلی مقال ہے جو بقول ابوالفضل "سفیہ" کا مصداق ہے اور جو اپنی "تقلید پیشگی" کی بنا پر "تنگنائے نقل پرستی" سے باہر نہیں آسکتا ۔

غرض عراق و خراسان میں جس علمی و فکری تحریک کا آغاز ہوتا، اس کی صدائے بازگشت ہندوستان میں ضرور سنائی دیتی ۔

اور اس سلسلہ کی آخری کڑی علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا رسالہ "الدرۃ الثمینہ" ہے یوں بھی عراق و ایران سے میدان بحث و نظر کا جو پہلوان ہندوستان آتا، اُس کے مقابلہ کے لئے سیالکوٹ ہی کے اس سپوت کو زحمت دی جاتی چنانچہ جب ملا شفیق جسے

بعد میں دربارِ شاہجہانی سے "دانشمند خاں" کا خطاب ملا ، ایران سے ہندوستان
اور کوسِ لمن الملک بجایا تو اس کے مقابلہ کے لئے منتظمین دربار نے علامہ سیالکوٹی
زحمت دی اور آخر میں اُنھیں کی فتح ہوئی۔ چنانچہ امام الدین ریاضی نے "تذکرہ"
میں لکھا ہے :-

"آوردہ اند کہ پادشاہ شاہجہاں ایشاں را از سیالکوٹ برائے مناظرہ
ملا شفیعا کہ تازہ از ولایت آمدہ بود و خطاب دانشمند خاں یافتہ، طلبید
ایشاں آمدند و اجلاس علماء و فضلاء و حکماء شد۔ چوں نوبت سخن بمولوی
عبدالحکیم رسید و با دانشمند خاں مناظرہ واقع شد، بر مراد ایاک نعبد
و ایاک نستعین، گفتگو بطول کشید و بالآخر درستی قول و راستی سخن ایشاں
برپادشاہ و سائر امراء و علمائے عالی شان انجامید"

(تذکرہ باغستان صفحہ ۶۸۴-۶۸۵)

یہ تھا سیالکوٹ کا فاضل جلیل۔ اس لئے اس میں کوئی تعجب نہ ہونا
اگر شاہجہان اور علامی سعد اللہ خاں کی جوہر شناس نگاہوں نے ہندوستان کے
ہوئے علمی وقار کو بحال کرانے کے لئے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا انتخاب کیا۔ اور
فاضلِ جلیل نے بادشاہ اور وزیر دونوں کی توقعات کو باحسن وجوہ پورا کیا۔
اور یہ "الدرۃ الثمینۃ" تھا "حکمت کا گوہر گراں مایہ" جس پر آنے والوں
کو بجا طور پر فخر کرنا چاہیئے تھا مگر

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا